بحث و نظر

"تدبّرِ قرآن" میں استنادِ حدیث

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

کتاب و سنت دینِ اسلام کی دو بنیادیں ہیں۔ انھیں دونوں کے صحیح فہم پر فکر و عقیدہ استوار ہوتا ہے۔ انھیں دونوں فکری سرچشموں سے صحیح فیض یابی پر عملِ صالح کا مدار ہوتا ہے۔ فکرِ صحیح اور عملِ صالح سے بندۂ الٰہی دونوں جہان میں نوری بنتا ہے۔ جس طرح حدیث و سنت کے لیے قرآنی فہم کسوٹی ہے اسی طرح قرآن مجید کے صحیح فہم و افہام کے لیے حدیث و سنت کی صحیح تفہیم ناگزیر ہے۔ سلف سے خلف تک اسلامی امت کا اس اصولِ دوگانہ پر اتفاق رہا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے جمہور مفکرین کی نمائندگی کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل اور تفہیم و تشریح پہلے قرآن کریم ہی سے کی جانی چاہیے، اس لیے کہ کلامِ الٰہی اپنی تعبیر و تشریح آپ کرتا ہے۔ آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تفہیم میں حدیث و سنت کا مقام و مرتبہ اور کارفرمائی و کارگزاری قرآن کریم کے بعد آتی ہے کہ وہ بھی وحیِ الٰہی ہے، گرچہ غیر متلو ہے۔ تاہم حاملِ قرآن کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبِ کتاب علیہ السلام کی تاویل و تعبیر ہونے کے سبب محکم ہے۔ قرآن و حدیث کے بعد اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے کہ وہ مزاج شناسانِ نبوت، مشاہدینِ نزولِ قرآن اور پروردہ اصحابِ نبی تھے۔ وہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطبین بھی تھے اور زبانِ عربیِ مبین کے حاملین و ماہرین بھی۔ چوتھے درجہ میں تابعی مفسرین کرام کی آرا و تشریحات آتی ہیں کہ وہ صحابہ کرام کے تعلیم یافتہ، قرونِ اولیٰ کے اصحابِ علم اور خیر القرون کے ماہرینِ فن تھے۔

مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تفہیم و تاویلِ قرآن کے اصولِ چہارگانہ کی درجہ بندی ضرور کی گئی ہے، مگر بہر حال و بہر مقام پر یہ لازمی نہیں کہ ان چاروں میں تصادم یا ٹکراؤ ہو اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا سوال پیدا ہو جائے۔ کبھی ان چاروں کی کارفرمائی

ایک ہی مقام وحال میں ہو سکتی ہے۔ اور کبھی ان میں سے ایک، دو یا تین کی۔ اقوال و آثارِ صحابہ آراء و تعبیراتِ مفسرین دراصل قرآن مجید کی تعبیرات، تشریحات اور تاویلات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ البتہ قرآن و حدیث کا باہمی تعلق ورشتہ دو اصول کا ہے جو ایک دوسرے کی تاویل و تفسیر ہی نہیں کرتے، ایک دوسرے کی تکمیل بھی کرتے ہیں۔ حدیث وسنت قرآن مجید کی اصولیات پر جزئیات کا اضافہ بھی کرتی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ (۱۹۹۷ - ۱۹۰۶ء) نے اپنی عظیم تفسیر"تدبر قرآن" میں دوسرے مفسرینِ کرام کی مانند تاویل وتشریح میں ان چاروں اصولوں سے کام لیا ہے، اگرچہ ان کا اصرار یہ ہے کہ تدبر قرآن کی بنیاد قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ کے مجموعی تناظر پر رکھی گئی ہے اور مولانا عبدالحمید فراہی رحمہ اللہ (۱۹۳۰ — ۱۸۶۳ء) کے نظریۂ نظمِ قرآن کی دلالت ورہنمائی میں تشریح وتعبیر کی گئی ہے، تاہم اس میں احادیث وسننِ نبوی، آثارِ صحابہ اور اقوالِ علماء ومفسرین سے بھی تعرض کیا گیا ہے جو ذرا کم کم ہے۔ اس مقالہ میں مختصراً یہ بحث کی گئی ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے اپنی تفہیم وتفسیر قرآن کریم میں حدیث وسنت سے کس حد تک استفادہ کیا ہے اور اس استفادہ کی نوعیت، حیثیت اور فنی منزلت کیا ہے۔

اپنے استاذ امام کی متابعت میں مولانا اصلاحی نے حدیث کو دو اعلیٰ اور ادنیٰ درجات میں تقسیم کیا ہے۔ "سنتِ متواترہ ومشہورہ" کی روشنی میں قرآن مجید کی "اصطلاحات" کی تفسیر کی ہے کہ وہ قرآن مجید کی مانند قطعی، متواتر اور واجب ہے۔" اور اس باب میں رہنمائی قرآن اور صحیح احادیث سے حاصل کی ہے۔" ذخیرۂ احادیث و آثار کو تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ تو قرار دیا ہے لیکن ان کو سنتِ متواترہ کی طرح اہمیت نہیں دی۔ ..."صرف انھی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں، بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ خاص طور پر حکمتِ قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی۔ اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملی ہے جو قرآن سے متصادم نظر آئی ہے تو.... اسی صورت میں اس کو چھوڑا ہے جب مجھ پر یہ بات

اچھی طرح واضح ہوگئی ہے کہ اس حدیث کو ماننے سے یا تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یا اس کی زد دین کے کسی اصول پر پڑتی ہے[1]۔

حدیثی نقطۂ نظر سے تدبرِ قرآن کے تجزیاتی مطالعہ کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ اس مقالہ میں تنقیدی و تحلیلی طریقہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم نے تین درجات میں استفادۂ حدیث کی تقسیم کی ہے: ایک درجہ وہ جہاں وہ حدیث سے قرآن کی تشریح و تعبیر دوسری آیاتِ قرآنی کی مانند کرتے ہیں، دوسرے جہاں وہ حدیث کو محض ثانوی مرتبہ کی تائید کے لیے لاتے ہیں اور تیسرے جہاں وہ حدیث کو یا تو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں یا اسے تاویل کا نشانہ بنا کر اپنے فہم قرآن یا اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

حدیث و سنت سے تفسیر

اس زمرۂ بحث میں بسملہ اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر کو رکھا جا سکتا ہے۔ بسملہ کو آیتِ دعا قرار دیتے ہوئے مولانا اصلاحی فرماتے ہیں "جو کام اس دعا کے بغیر کیا جاتا ہے وہ ان تمام برکتوں سے خالی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کام بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے[2]"۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں صراطِ مستقیم کی تشریح ایک حدیث سے کی ہے: "اسی سیدھے رستہ کو حضورؐ نے ایک مرتبہ اس طرح سمجھایا کہ زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس کے داہنے بائیں آڑے ترچھے خطوط کھینچ دئے، پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رستہ ہے اور یہ آڑے ترچھے خطوط پگڈنڈیاں ہیں اور ان میں سے ہر پگڈنڈی کی طرف کوئی نہ کوئی شیطان بلا رہا ہے[3]"۔ "سورہ فاتحہ پر دعا کے پہلو سے ایک نظر" کے تحت مفسر گرامی نے دو حدیثیں نقل کی ہیں کہ "تنہا یہی بات کافی ہے کہ یہ سورہ ہماری سب سے بڑی عبادت — نماز — کی خاص سورہ ہے۔ صحیحین کی مشہور روایت ہے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء

---

[1] تدبر قرآن: ۱/ ۳۰-۲۹۔ مطبع فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء

[2] ایضاً ۱/ ۴۶ [3] ایضاً ۱/ ۵۹

بفاتحۃ الکتاب ...“ پھر اس کی تاثیر کو اس حدیث قدسی سے واضح کیا جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث و سند پر مبنی ہے اور جس میں سورۂ فاتحہ کو اللہ تعالیٰ نے دو برابر حصوں (نصفین) میں تقسیم کیا ہے : پہلی تین آیات کریمہ کا نصف اول جو پروردگار عالم کے لیے ہے اور بقیہ آیات کریمہ کا نصف دوم جو بندہ اور اس کے معبود کے درمیان مشترک ہے اور جس میں بندہ کا سوال اور معبود کی قبولیت کا ذکر ہے[۱]۔ فاتحۃ الکتاب‘ ام الکتاب‘ کافیہ اور موفیہ وغیرہ اسما، سورہ کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ کریمہ کو دیباچۂ قرآن قرار دیا ہے اور حدیثوں میں اس کے مختلف ناموں کے ذکر سے اس پر استدلال کیا ہے[۲]۔

سورۂ بقرہ میں مولانا اصلاحی نے اقامت صلوٰۃ کے مفہوم کو اجاگر کرنے کے لیے حدیث نبوی: ” تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ“ بلا حوالہ نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ صلوٰۃ کی ہیئت و شکل کی پوری وضاحت سنت نے کی ہے[۳]۔ نماز کے اوقات اور ان کی برکات سے متعلق بعض حوالے ملتے ہیں جیسے[۴] استغفار کے لیے موزوں ترین وقت آخر شب اور سحر ہے[۵]۔

مفردات قرآن کی تفسیر و تاویل میں مولانا اصلاحی کا طریقۂ کار بالعموم یہ ہے کہ وہ اپنے استاذ امام کی تالیف ”مفردات القرآن“ سے برابر استفادہ کرتے ہیں، جس طرح لغات عرب بالخصوص لسان العرب سے اور جاہلی شعرا یا حماسی شعرا کے کلام سے۔ متعدد مقامات پر انھوں نے احادیث نبویہ کے ذریعہ بھی الفاظ و تراکیب کے معانی و مفاہیم کی تعیین و تشریح کی ہے۔ سورۂ بقرہ ۵۶ میں واقع الفاظ ”ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ“ کی تشریح سو کر اٹھنے کے بعد کی مشہور دعا پر مبنی حدیث ” الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور“ سے کی ہے کہ ”عربی زبان میں موت کا لفظ استعارہ کے طور پر نیند اور بے ہوشی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے[۶]۔“

حجر اسود کے استلام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”بعض حدیثوں میں

۱۔ ۶۷/۱ ۲۔ ۶۹/۱

۳۔ ۹۳-۹۲/۱ ۴۔ ۵۶۹/۷ - ۵۶۸

۵۔ ۵۹۳/۷ ۶۔ ۲۱۶/۱ حاشیہ ۲ میں لسان العرب کا حوالہ ۴۰۶

اس کو یمین اللہ (خدا کا ہاتھ) سے تعبیر کیا گیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جب اس کو ہاتھ لگاتا ہے تو گویا وہ خدا کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اس سے تجدید بیعت کرتا ہے اور جب اس کو بوسہ دیتا ہے تو گویا یہ اس کی طرف سے خدا کے ساتھ عہد محبت و وفاداری کا اظہار ہوتا ہے۔"[۱] اسی طرح سورہ بقرہ ۱۵۸ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا کی تفسیر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول یا تشریح نقل کی ہے۔[۲]

سورہ بقرہ ۱۷۴: وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ کی تشریح میں مولانا اصلاحی نے ایک اور حدیث نقل کی ہے: "مسلم شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی آیت کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھے زانی، جھوٹے بادشاہ اور گدائے متکبر کو بھی داخل کیا ہے۔ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ اشتراک علت کی وجہ سے آیت کے حکم کی توسیع ہے۔"[۳] آیت کریمہ ۱۷۷ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ میں محبوب مال کو راہِ الٰہی میں خرچ کرنے کے مفہوم کی تائید بھی احادیث سے فراہم کی ہے۔ "آپ سے سوال کیا گیا کہ سب سے افضل صدقہ کون سا ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ جو ایک بے مایہ اپنی محنت کی کمائی میں سے اپنے کسی ایسے عزیز پر خرچ کرتا ہے جو اس کے خلاف اپنے دل میں عداوت رکھتا ہے۔"[۴]

مولانا اصلاحی آیات ۱۸۰-۱۸۲ کی تمہیدی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "حرمت جان کے اس قانون کے بعد حرمتِ مال کے قانون کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ دونوں مضمون قرآن و حدیث دونوں میں بالعموم ساتھ ساتھ آتے ہیں۔" اور حاشیہ ۱ میں سورہ نساء ۲۹ کا حوالہ دے کر حدیثِ نبوی کے الفاظ "حرمة ماله کحرمة دمه" سے اس کی تائید فراہم کی ہے۔[۵] اسی طرح رمضان کے روزوں سے متعلق آیات کریمہ ۱۸۵ وغیرہ میں واقع فقرہ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کی تفسیر میں مسلم شریف کی حدیث نقل کی ہے۔ "کل عمل ابن آدم یضاعف، الحسنة بعشرا مثالہا الی سبع مائة

۱۔ ۱/۳۸۲ ۲۔ ۱/۳۸۷ ۳۔ ۱/۴۱۷

۴۔ ۱/۴۲۴-۴۲۵ ۵۔ ۱/۴۳۷ حدیث کا حوالہ دیے بغیر اسی کو سورہ نساء ۲۹ کے ضمن میں بھی نقل کیا ہے۔

ضعف ۔ قال اللہ تعالیٰ الا الصوم فانہ لی و انا اجزی بہ ، یدع شہوتہ وطعامہ من اجلی" مرضعہ اور پیر فانی وغیرہ سے متعلق رخصتوں کے لیے احادیث کا عمومی حوالہ دیا ہے[۱] مفسر گرامی کا یہ بھی خیال ہے کہ "مشتبہ معاملات میں شریعت کی ہدایت، جیساکہ حدیث میں وارد ہے، یہ ہے کہ دع ما یریبك الی مالا یریبك[۲] ۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۱۸۷) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ کو باحیا بنانے کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز نکاح کو قرار دیا"[۳]

حرم الٰہی کو کفر و شرک سے پاک کرنے کے اصولی عقیدہ پر آیت ۱۹۱-۱۹۰ کے حوالہ سے بحث میں مولانا امین احسن نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک "لایجتمع فیہ دینان" اور حضرت عمرؓ کی یہود و نصاریٰ کی جلاوطنی کی حکمت عملی بیان کی ہے[۴] آیت کریمہ ۱۹۶ کے حکم الٰہی فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کے موقع پر وادیٔ حدیبیہ ہی میں قربانی کرکے احرام کھول دینے کی سنت کا حوالہ دیا ہے[۵] اور اسی موقع پر ہدی کے مقام پر پہونچنے کے بعد حلق کرنے کے حکم میں صلح حدیبیہ کے موقع پر احصار کی سنت اور حج کے زمانے میں مقام موعود پر قربانی وحلق کرنے کی امن کی سنت کا ذکر کیا ہے[۶] قربانی سے قبل حلق کرانے کے کفارے سے متعلق حکم نبوی نقل کیا ہے کہ "تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلادے یا کم از کم ایک بکری کی قربانی دے دے"[۷] حج تمتع وقران وافراد کے سلسلہ میں اگرچہ الفاظ حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے تاہم استفادہ اس سے کیا ہے[۸]

بقرہ ۲۲۲ میں ایام حیض کے احکام مذکور ہیں ۔ زن وشو کے تعلقات مباشرت کے ضمن میں مولانا اصلاحی نے احادیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے وضاحت ہونے کا صرف حوالہ ہی دیا ہے، مگر احادیث نقل نہیں کیں[۹] اسی طرح "قَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ" (البقرۃ ۲۲۳) کی تفسیر اور "حرث" کی تشریح میں لکھا ہے "احادیث میں اس کی دلیل موجود ہے"

۱؎ ۱/۴۵۲ — ۲؎ ۱/۴۵۶ — ۳؎ ۱/۴۵۷
۴؎ ۱/۴۷۹، ۴۷۵/۳ — ۵؎ ۱/۴۸۳ — ۶؎ ۱/۴۸۳
۷؎ ۱/۴۸۳ — ۸؎ ۱/۴۸۵ - ۴۸۴، ۴۰۸ — ۹؎ ۱/۲۴-۵۲۶

کہ "اولادِ صالح کی نیکی ایک خیرِ جاری ہے جس کا سلسلہ آدمی کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے"[1]

آیتِ کریمہ ۲۴۵ میں قرضِ حسن اور اللہ کی طرف سے ان میں بکثرت اضافہ کرنے کا فرمان ہے۔ مولانا نے "احادیث میں بھی اس کی تفصیل موجود" ہونے کا عمومی حوالہ دیا ہے[2] بقرہ ۲۶۳ میں مشہور حدیثِ قدسی کا حوالہ دیا ہے کہ درحقیقت خدا ہی کا ہاتھ ہوتا ہے یعنی مانگنے والوں کا[3] آیتِ کریمہ ۲۷۳ میں "تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا"... کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس سے اہلِ صفہ مراد ہیں "ان کی جو خصوصیات احادیث میں بیان ہوئی ہیں وہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے ان اشارات کے مطابق ہیں"[4]

تفسیرِ قرآن میں حدیثِ نبوی سے استناد کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے بہت کم مقامات پر پوری حدیث یا ان کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ایسے ہی چند مقامات میں سے ایک سورۂ بقرہ ۲۷۷ ہے اور سورہ روم ۳۹ کے ضمنی حوالہ کے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی تمہارے لیے اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارا دیا ہوا ایک لقمہ خدا کے ہاں احد پہاڑ کی مانند بن جائے گا" اس سے پہلے احادیث سے اس کی تائید ہونے کا عمومی حوالہ ہے[5] اپنے عمومی انداز میں حدیث سے استناد کرنے کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے سورہ بقرہ ۲۸۶ میں "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا" کی تشریح یوں کی ہے ..."حدیثوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں سے سمع وطاعت کا عہد لیتے تو از خود یاددہانی کرکے ان سے "تا بہ حدِ استطاعت" کی شرط لگوا دیتے۔ یہ حضورؐ کی طرف سے اسی آیت کی تعمیل تھی"[6]

سورہ آلِ عمران ۱۷ میں وارد "استغفار" کی تعبیر میں اپنے طریقۂ عمومی کے مطابق لکھا ہے کہ "قرآن اور حدیث دونوں ہی میں مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت ہوئی ہے"[7] البتہ "امی" کی وضاحت میں حدیث نقل کی ہے: "بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

۱ ۵۲۸/۱ ۲ ۵۶۷/۱ ۳ ۶۱۵/۱ ۴ ۶۲۵/۱

۵ ۶۳۶/۱ ۶ ۶۵۰/۱ ۷ ۴۴/۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً وہ حدیث جس میں ارشاد ہوا ہے کہ: نحن امۃ امیۃ الحدیث [۱]

حضرت زکریا علیہ السلام کے محراب میں نماز ادا کرنے کی بحث میں فرماتے ہیں۔

"احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی نمازوں کی جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نمازیں فی الواقع خدا سے راز و نیاز کی نمازیں تھیں [۲]

مولانا اصلاحی کتبِ احادیث کا حوالہ بھی ذرا کم ہی دیتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی تشریح میں بخاری شریف کا حوالہ انھیں نادر مقامات میں سے ایک ہے، لیکن یہاں بھی حدیث کا حوالہ ہی ہے کہ بخاری شریف میں ان کا جو حلیہ بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سر کا حال یہ تھا کہ گویا اس سے تیل ٹپک رہا ہے [۳]

احبار و رہبان کو ارباب بنانے کے سلسلہ میں پوری حدیث تو نہیں، البتہ اس کے چند مکالمات نقل کیے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانے کے سبب کہا گیا کہ ان کو رب بنا لیا گیا [۴] یہ اردو ترجمہ کی شکل میں احادیث کے حوالہ کا ذکر ہے۔ البتہ "حبل اللہ" کی تفسیر میں امام طبری کی حضرت ابوسعید خدریؓ کی سند پر مروی حدیثِ نبوی مع اصل الفاظ و ترجمہ نقل کی ہے: کتاب اللہ ھو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض [۵]

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (آل عمران ۱۱۲) کی تفسیر میں نبوی معاہدوں کے قبائلِ عرب سے ختم کیے جانے کا حوالہ دیا ہے [۶] آیاتِ کریمہ ۱۴۱-۱۳۹ میں وارد لفظ "وھن" کی تشریح میں حدیثِ نبوی "حب الدنیا وکراھۃ الموت" سمیت حدیث کا اردو ترجمہ زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے [۷] بقول مولانا مرحوم "یہ حدیث اس لفظ کی بہترین تشریح ہے"۔

سورۂ نساء میں آیاتِ مواریث (۱۴-۱۱) کے ضمن میں مفسر گرامی نے وارث کے لیے وصیت نہ ہونے (لا وصیۃ لوارث) کی حدیثِ مبارک نقل کی ہے [۸] جب کہ

---

[۱] ۵۳/۲   [۲] ۷۹/۲   [۳] ۹۲/۲

[۴] ۱۱۳/۲   [۵] ۱۵۳/۲   [۶] ۱۶۲/۲

[۷] ۱۸۰/۲   [۸] ۲۶۱/۲، ۲۱۰

آیتِ کریمہ میں وارد لفظ "غیر مضار" کی تشریح میں ایک اور حدیثِ نبوی کو یوں نقل کیا ہے: "اسی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کو ثلثِ مال تک محدود فرما دیا تاکہ اس سے اصلی وارثوں کی حق تلفی نہ ہو"[۱]۔ نکاح و زواج سے متعلق آیاتِ کریمہ بالخصوص محرمات سے نکاح کی حرمت کے سلسلے میں ان "حدیثوں" کا حوالہ دیا ہے جو خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کے جمع کر دینے کی ممانعت کرتی ہیں[۲]۔ آیتِ کریمہ ۳۵ میں نافرمان و سرکش بیویوں کو مارنے کا جواز و حکم ہے۔ مولانا اصلاحی نے تشریح میں لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "غیر مبرح" کے الفاظ سے اس کی حد واضح فرما دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سزا ایسی نہ ہو کہ وہ کوئی پائدار اثر چھوڑ جائے"[۳]۔

مولانا گرامی نے سورۂ نساء کی آیتِ کریمہ ۴۱ کی تشریح میں لکھا ہے کہ "نساء کی اس آیت سے متعلق روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو حضورؐ شدتِ تاثیر سے آبدیدہ ہو گئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عظیم شرف کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے"[۴]۔

الفاظ کے معانی کی تعیین کے ضمن میں بھی مولانا اصلاحی نے حدیث سے استدلال واستناد کیا ہے۔ سورۂ نساء ۷۲ میں وارد فقرہ: "وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ" کی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے: "ایک حدیث میں ہے کہ من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه" لیکن مولانا نے یہ حدیث لسان العرب سے استدلال کے بعد نقل کی ہے[۵]۔ لہٰذا اس کا موقع حدیث سے ضمنی استشہاد کے ذیل میں ہونا چاہیے۔ آیتِ کریمہ ۹۴ میں حدیث کا حوالہ اس طرح دیا ہے کہ اصل الفاظ نہیں آئے اور تعبیرِ مفسر باقی رہی: "ایک غزوہ میں ایک صحابی سے اس معاملے میں بے احتیاطی ہو گئی تو حضور نے اس طرح پر تنبیہ فرمائی کہ سننے والوں کے دل دہل گئے"[۶]۔ اسی ضمن میں مولانا کا دوسرا استدلال نمازِ قصر کی آیات کے تعلق سے نظر آتا ہے۔ نماز میں قصر کی رخصت اصلاً سفرِ جہاد کے تعلق ہی سے

۱ہ ۲۶۲/۲ ۲ہ ۲۷۵-۲۷۶/۲ ۳ہ ۲۹۳/۲

۴ہ ۳۰۲/۲ ۵ہ ۳۲۴/۲ ۶ہ ۳۶۳/۲

نازل ہوئی، دوسرے سفروں میں اس کی حیثیت اصل کی نہیں بلکہ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے واضح ہے، اللہ کی طرف سے ایک صدقے کی سی ہے[۱] "قصر کی شکل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عملی تواتر سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو نمازیں چار رکعت والی ہیں وہ دو رکعت پڑھی جائیں۔ مغرب اور فجر میں قصر نہیں ہے۔"[۲] قصر کو رخصت قرار دے کر اس سے فائدہ اٹھانے کو "تقویٰ" کے خلاف سمجھنا دین میں تشدّد اور غلو کے رجحان کی غمازی کرتا ہے جس کو قرآن و حدیث دونوں میں مذموم ٹھہرایا گیا ہے۔"[۳] قصر سے متعلق دوسرے مقامات پر ان احادیث کا اجمالی حوالہ ہے[۴]

جن مواقع پر مفسر اصلاحی نے پوری حدیث مع حوالہ اصل الفاظ یا اس کے اردو ترجمہ میں نقل کی ہے ان میں سے ایک سورۂ نساء ۱۳۵ میں تشریح سے متعلق ہے۔ وہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے جو مخزومی عورت کے چوری کرنے کے معاملہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی[۵] جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا" (متفق علیہ)

انھیں مقامات میں سے ایک سورۂ مائدہ ۴ ہے جس میں شکاری جانوروں کے شکار کی حلّت و حرمت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ مولانا نے عام احادیث کا حوالہ دینے کے علاوہ صحیح بخاری کی حدیث حضرت عدی بن حاتم طائی کی بنیاد پر بیان کیا ہے کہ کسی کے شکاری کتے کے ساتھ دوسرا کتا شریک ہو جائے تو ایسا شکار کھانا جائز نہیں کہ دوسرے پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔[۶] اسی سورہ کی آیت کریمہ ۲۷ کے بارے میں فرزندانِ حضرت آدم سے متعلق ایک حدیث نقل کی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کے دونوں بیٹوں کا واقعہ اس امت کے لیے بطورِ مثال بیان ہوا ہے تو ان میں سے اچھے کی مثال کی پیروی کرو۔[۷] آیتِ کریمہ ۳۳ کے تعلق سے مولانا مرحوم نے لکھا ہے "عکل اور عرینہ والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال کے اونٹوں کو نکالے جانے اور ان کے چرواہوں کو قتل کرنے کے جرم کی جو عبرت انگیز سزا دی امام بخاریؒ نے اس کو اسی آیت کے تحت لیا ہے۔[۸] تفسیر کی

۱؎ ۳۶۶/۲ حاشیہ ۱ ۲؎ ۳۶۹/۲ ۳؎ ۳۷۰/۲ ۴؎ ۳۷۰/۲

۵؎ ۴۰۷/۲ ۶؎ ۴۶۱/۲ ۷؎ ۴۹۵/۲، ۴۱۲ ۸؎ ۵۰۷/۲

کتابوں کے حوالہ سے زنا کے ایک مقدمہ میں عدالتِ نبوی کا حوالہ ہے کہ وہ تورات کے مطابق کیا گیا تھا۔[۱]

سورۂ انعام ۱۹ میں وارد فقرہ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ کی تفسیر میں حدیثِ نبوی: فلیبلغ الشاھد الغائب نقل کی ہے[۲] سورۂ اعراف ۴۶ میں وارد لفظ "سیما" کی تفسیر میں مولانا مرحوم نے مسلم شریف کی حدیث مفصل اپنے الفاظ میں نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متاخر امتیوں کو وضو کے آثار سے پہچان لیں گے۔ اس مفصل ذکر کے بعد گردن میں پڑی ہوئی رسیوں کی علامت کا ذکر کر کے عمومی انداز میں بیان کیا ہے کہ "اس نوع کے بعض اشارات معراج سے متعلق احادیث میں بھی موجود ہیں"۔[۳] اسی سورہ کی آیتِ کریمہ ۴۶ کے تعلق سے ایک اور حدیث بھی اپنے الفاظ میں بیان کی ہے: "ہمارے حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا: کوئی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ بھی؟ ارشاد ہوا ہاں میں بھی، الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ"[۴]

مولانا اصلاحی کے عمومی حوالوں میں سورۂ انفال کی آیاتِ کریمہ ۲-۱ کے حوالہ سے ایمان و عمل صالح کے لیے حدیثوں کا ایک عمومی ذکر شامل ہے[۵] سورۂ توبہ ۳۶ کے ضمن میں دو جنتریوں کے امکان و اثبات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: "استدار الزمان کھیئتہ یوم خلق السموات والارض" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا تھا" آیتِ کریمہ ۱۱۲ کے حوالہ سے ابوداؤد کی ایک حدیث کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں: سیاحۃ امتی الجھاد فی سبیل اللہ ایک دو ارشادات ہیں: لا سیاحۃ فی الاسلام، سیاحۃ ھذہ الامۃ الصیام ولزوم المساجد[۶]

سورۂ لقمان ۱۵-۱۴ کے حوالہ سے مفسر اصلاحی نے لکھا ہے "اسی پر وہ حدیث مبنی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کا حق باپ کے مقابل میں تین درجہ زیادہ قرار دیا ہے"۔[۷] اس طرح کی حدیث پر مبنی تفسیراتِ اصلاحی حسب ذیل ہیں:

---

[۱] ۲/۵۲۶ [۲] ۳/۳۱ [۳] ۳/۲۶۶-۲۷۶ [۴] ۳/ ۲۶۹

[۵] ۳/۴۴۲ [۶] ۳/۵۳۹، ۳/۵۷۲ نسئی کے حوالے سے بھی دوبارہ نقل کیا ہے۔

[۷] ۳/۶۶۲-۶۶۶ [۸] ۶/۱۳۰

سورہ احزاب ۴۰ کے حوالے سے مسئلہ ختم نبوت پر بحث میں بخاری، ترمذی وغیرہ کی احادیث پر مفصل بحث[1]۔ سورہ یٰسٓ ۴۴[2]۔ سورہ حجرات ۱۱-۱۲ حضرت عمر سے شیطان بھاگتا تھا۔ سورۂ ق ۱۹ من مات فقد قامت قیامتہ[3]۔ سورہ قیامہ ۱۶-۱۹ وحی کو دہرانے میں جلدی نہ کریں[4]۔ سورہ علق ۱-۵ زمانہ نزول[5]۔

تفسیر میں حدیث کا ثانوی مرتبہ

فراہی مکتبہ فکر میں مولانا اصلاحی نے وضاحت کی ہے کہ جن سورتوں میں حروف مقطعات سے آغازِ کلام ہوا ہے وہ ان سورتوں کے نام ہیں "حدیثوں سے بھی ان کا نام ہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔" جو سورتیں ان ناموں سے موسوم ہیں اگرچہ ان میں سے سب اپنے انھی ناموں سے مشہور نہیں ہوئیں، بلکہ بعض دوسرے ناموں سے مشہور ہوئیں لیکن ان میں سے کچھ اپنے انھی ناموں سے مشہور بھی ہوئیں۔ مثلاً طٰہٰ، یٰسٓ، قٓ اور ن وغیرہ۔"[6] ان حدیثوں کا حوالہ اور ذکر کہیں نہیں کیا گیا ہے۔

آیاتِ احکام ہوں یا آیاتِ واقعات، صاحبِ تدبر بالعموم حدیث کا حوالہ اسی ثانوی لب و لہجہ سے دیتے ہیں۔ بسا اوقات احادیث کا لفظ بھی زبانِ قلم پر نہیں لاتے۔ واقعہ متعلقہ یا امر محولہ کا ذکر اپنے الفاظ میں کر دیتے ہیں۔ سورہ نساء ۹۴ میں ایک اہم واقعہ اور حکم کا ذکر آیا ہے، مگر مفسر گرامی نے صرف اتنے ذکر پر اکتفا کیا ہے: "ایک غزوہ میں ایک صحابی سے اس معاملہ میں بے احتیاطی ہو گئی تو حضورؐ نے اس طرح تنبیہ فرمائی کہ سننے والوں کے دل دہل گئے۔"[7] اس ضمن میں نہ صحابی کا حوالہ ہے نہ واقعہ کا، نہ سرزنش کا۔ ہر بات مجہول سی بن کر رہ گئی ہے۔

فقہی معاملات میں صاحبِ تدبر نے ایک پابندی عائد کر رکھی ہے کہ وہ بہت ضروری امور میں صرف حوالوں تک محدود رہیں گے، اس کے باوجود وہ فقہاء کے مسالک و آراء کو بھی ان کے اسماء گرامی اور حوالوں کے ساتھ اور اکثر عمومی انداز میں بیان کرتے

---

[1] ۲۴۵-۲۴۸/۶ [2] ۴۳۴/۶ [3] ۵۱۴/۷ اور ۵۴۸ بالترتیب

[4] ۸۵/۹ [5] ۴۵۹/۹ [6] ۸۲/۱ ۴۱۴ [7] ۳۶۳/۲

ہیں اور احادیث کو ان کا ماتحت بنا دیتے ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ سے قبل بسملہ کے مقام و مرتبہ میں علماء و فقہاء، کوفہ و بصرہ کے اقوال کو ذکر کر کے بعض کو ترجیح دی ہے، مگر حدیث کا ذکر نہیں ہے اور ہے تو ثانوی درجہ میں[۱]۔

سورہ مائدہ ۴ میں مذکور سکھائے ہوئے شکاری کتوں سے متعلق احکام کے بارے میں صاحب تدبر رقم طراز ہیں۔ "چونکہ یہاں اختصاص کا مضمون پایا جاتا ہے اس وجہ سے میں ان لوگوں کے مذہب کو زیادہ قوی سمجھتا ہوں جو کہتے ہیں کہ شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو وہ شکار جائز نہ ہوگا۔ یہی بات بعض احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے[۲]۔"

روزے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات و انعامات کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا فراہی نے پہلے سیدنا مسیح کی حکمت نقل کی ہے کہ "آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔ پھر حدیث نبوی نقل کی ہے : "انی ابیت، لی مطعم یطعمنی وساقٍ یسقینی..."[۳] پھر روزے کے مقاصد تقویٰ اور صبر کے اثبات کے لیے حدیث کا عمومی حوالہ لائے ہیں[۴] اسی طرح فقہاء کا مسلک نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "حدیثوں میں گوہ کے باب میں حضورؐ کا جو ارشاد نقل ہے وہ اس طرح کے مسائل میں بہترین رہنمائی دیتا ہے[۵]۔" وہ ارشادِ گرامی کیا ہے؟ تدبر قرآن میں موجود نہیں۔ اسی نوعیت کا وہ ارشادِ اصلاحی ہے جو سورۂ نمل ۸۶ اور فرقان ۴۷ کے ذیل میں مذکور ہے: "اور اسی کی تذکیر وہ دعا کرتی ہے جو سو کر اٹھنے کے وقت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے[۶]۔"

سورہ دخان ۳ میں مذکور "لیلۃ مبارکۃ" اور سورۂ قدر میں مذکور "لیلۃ القدر" کے بارے میں صاحب تدبر نے لکھا ہے: "رہا یہ سوال کہ یہ رمضان کی کون سی رات ہے تو اس کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے۔ روایات کی روشنی میں صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ کی کوئی رات ہے[۷]...."

صاحبِ تدبر قرآن نے سورۂ حجرات ۱-۶ کے حوالہ سے ایک اہم بحث

۱؎ ۱/ ۲؎ ۲/۴۶۱ ۳؎ ۱/۴۶۰ ۴؎ ۱/۴۶۳
۵؎ ۳/۱۹۵ ۶؎ ۵/۶۳۷ ۷؎ ۷/۴۶۶

"قرآن میں جرح و تعدیل کا مآخذ" کے عنوان سے لکھی ہے۔ مولانا کا بیان ہے کہ "اگر صرف راوی کی تحقیق پر کفایت کر کے یہ چیزیں نظر انداز کر دی جائیں تو تحقیق کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے محدثین زیادہ زور صرف راوی کی تحقیق پر صرف کرتے ہیں، نفسِ متن پر ان پہلوؤں سے غور کرنے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے متنِ حدیث پر غور کرنے کے اصول وضع کیے اور اس کا نام درایت رکھا۔ اگر ہمارے علماء ان اصولوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق پاتے تو حدیث کے خلاف وہ فتنہ ہرگز نہ اٹھ سکتا جو فتنہ پردازوں نے اٹھادیا اور جس نے گمراہ فرقوں کے لیے دین میں دراندازی کی بہت سی راہیں کھول دیں...[1]" صاحبِ تدبر کے تدبرِ حدیث کا یہ اہم ترین نمونہ ہے۔ اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ حدیث کی روایت و درایت کی تاریخ محترم صاحبِ تدبر کے پیش نظر نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تدبرِ قرآن میں حدیث کا درجہ ثانوی اور وہ بھی انتہائی کم تر نظر آتا ہے۔

تفسیرِ قرآن میں حدیث کی تاویل

تفسیرِ اصلاحی کا یہ باب بہت طویل ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ اوّل حصہ میں مولانا مرحوم نے مختلف احادیثِ نبوی نقل کر کے ان کے پسندیدہ معانی پہنائے ہیں اور دوسرے حصہ میں احادیثِ صحیحہ کا ذکر تک نہیں فرمایا ہے۔ اصلاحی تاویلاتِ حدیث کے باب میں سورۂ فاتحہ سے متعلق بعض احادیث بھی آجاتی ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ سورۂ فاتحہ دعا ہے اور اس کے ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ کی سند پر مروی حدیثِ قدسی: قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین فنصفها لی و نصفها لعبدی و لعبدی ما سأل اس کے علاوہ بھی بعض احادیث سے استنادِ اصلاحی تاویلات کے زمرہ میں آتا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۲۵ کے جملۂ عالیہ "كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا" کی تفسیر میں مولانا اصلاحی نے دو حدیثوں (۱) "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" اور (۲) "اگر لوگ جان جائیں کہ عشاء کی نماز میں کیا چیز پوشیدہ ہے تو وہ اس کے لیے پیٹوں کے بل رینگتے ہوئے

---

[1] ۷/۵۰۰-۵۰۱ ومابعد

بھی پہنچیں"۔ اور ان سے ملتے جلتے آثارِ صحابہ و اقوالِ عارفین کا حوالہ دیتے ہوئے آیت کی تفسیر یوں کی ہے "جو لوگ ان لذتوں سے اسی دنیا میں آشنا ہو چکے ہوں گے جب یہی لذتیں اپنی حقیقی شکل و صورت میں ان کے سامنے آخرت میں ظاہر ہوں گی تو وہ یہ محسوس کریں گے ہی کہ ان کی جھلکیاں وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اس سے پہلے ان کو ان جھلکیوں سے آشنا کرانے والی اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ قرآن ہی ہو سکتا ہے[۱]

روزہ کی سحری صبح صادق سے پہلے ختم کرنے سے متعلق مولانا اصلاحی کی تفسیر تاویل کے زمرہ میں آتی ہے: "قرآن کے الفاظ سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی یہ اجازت صبح صادق کے اچھی طرح نمایاں ہو جانے تک ہے۔ اسی بات کی تائید احادیث اور صحابہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ کے دور میں ان کا مفہوم سمجھنے میں بعض لوگوں کو زحمت کیوں پیش آئی؟ عدی بن حاتم رضی کی روایت جو تفسیر کی کتابوں میں نقل ہے کہ انھوں نے فجر کو پہچاننے کے لیے دو سیاہ و سفید دھاگے باندھ لیے اگر پوری طرح قابلِ اعتماد ہے تو اس کو محض ان کی اس شدتِ احتیاط پر محمول کرنا چاہیے جو نئے نئے اسلام لانے والوں میں بالعموم پائی جاتی ہے[۲] مولانا اصلاحی سے یہاں چوک ہوئی۔ سحری کے ختم ہونے کا وقت صبحِ کاذب کا ختم اور صبحِ صادق کا طلوع ہے نہ کہ صبح صادق کا اچھی طرح نمایاں ہونا۔ حضرت عدی بن حاتم کی روایت کے علاوہ دوسری روایات میں ہے کہ پہلے اس آیت میں "من الفجر" کا فقرہ نہ تھا جس سے ان کو غلط فہمی ہوئی، "من الفجر" کا اضافہ بعد میں ایسی ہی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کیا گیا۔[۳]

حلالہ کے سلسلے میں "حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" کی تفسیر و تشریح میں مفسر اصلاحی کا خیال ہے کہ "وطی کے بعد ہو یا وطی کے بغیر نکاح و طلاق میں سازش کے دخل کی صورت میں یہ نکاح و طلاق اور اس کے سارے شرکاء عنداللہ ملعون و مغضوب ہیں۔ یہ مسئلہ درحقیقت پیدا ایک حدیث کی بنا پر ہوا ہے۔ ہمارے نزدیک حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بھی نہایت کمزور ہے۔ حدیث کے مختلف طریقوں کو جمع کر کے جو نتیجہ سامنے آتا ہے

۱۔ ۱/۱۵۲ ۲۔ ۱/۴۵۹

۳۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرہ، باب احل لکم لیلۃ الصیام ..... الخ حدیث ۴۵۱۱

ہم نے دیکھا ہے وہ قرآن کے بالکل موافق ہے۔ اگر ہم نے اپنی اس کتاب میں فقہی مباحث کے لیے ایک خاص حد نہ مقرر کرلی ہوتی تو ہم اس حدیث پر بھی تفصیل کے ساتھ بحث کرکے دکھاتے کہ اصل حقیقت کیا بیان ہوئی ہے اور لوگوں نے اس کو کیا بنا دیا ہے، لیکن یہ بحث ہمارے دائرہ سے باہر ہے۔" [۱]

آیتِ کریمہ ۲۳۸ میں صلوٰۃ وسطیٰ کی تشریح میں نمازِ عصر کی تعیین کی ہے، مگر اس کا استناد واستدلال ایک قسم کی روایات پر مبنی ہے۔ "یہی نماز ہے جس کے بارے میں حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے دو نبیوں کو ابتلاء پیش آیا۔ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کو فوجی پریڈ کے موقع پر، دوسرے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ احزاب کے موقع پر" [۲] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایات واحادیث میں اختلاف ہے۔ بعض صحیح روایات میں ہے کہ چار نمازیں قضا ہوئیں اور بعض میں ہے کہ نمازِ عصر قضا ہوئی، لیکن اس واقعہ سے کم از کم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمازِ عصر کے بارے میں ابتلاء کا استدلال کرنا عجیب وغریب ہے کیونکہ اول تو بعض روایات کے مطابق چار نمازیں قضا ہوئی تھیں اور دوسرے یہ کہ ایک بار نمازِ فجر قضا ہونے کی ابتلاء بھی مذکور ہے [۳]۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہی ہے [۴]۔

سورۂ بقرہ ۲۸۳ میں فَرِهٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ کی تشریح وتفسیر میں حدیث کے متعلق مولانا اصلاحی کا ایک دلچسپ رویہ ملتا ہے۔ "ہمیں اس روایت سے انکار نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس کچھ جَو کے بدلے رہن رکھی۔ لیکن اس سے جو بات زیادہ سے زیادہ نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کسی شدید مجبوری کے سبب سے کسی بنئے یا یہودی سے قرض لینے کی نوبت آجائے اور وہ رہن کے سوا کسی اور صورت پر معاملہ کرنے کے

---

[۱] ۱/۵۳۸-۵۳۹ [۲] ۱/۵۵۴

[۳] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان بعد ذہاب الوقت، حدیث: ۵۹۵، فتح الباری ۲/۸۸-۹۰

[۴] بخاری ومسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب قضا الصلوٰت لاولیٰ فالاولیٰ۔ فتح الباری ۲/۹۵ وغیرہ باب التغلیظ فی تفویت العصر، شبلی۔ کاندھلوی کی سیرت میں متعلقہ باب۔ ۲۱۸

لیے تیار نہ ہو تو اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا سکتا ہے۔[۱]

سورۂ نساء کی آیت کریمہ ۲۵ میں فاحشہ باندیوں کی سزائے زنا محصنات کی سزا کا نصف ہونے کا ذکر ہے۔ مولانا اصلاحی، فراہی مکتب فکر کے سب سے بڑے شارح وترجمان تھے اور موید اور وکیل بھی۔ اس آیت کریمہ کے تعلق سے انھوں نے اگرچہ حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے، تاہم ایک سوال اٹھایا ہے کہ "یہ آیت سورۂ نور کی بیان کردہ حدِ زنا کو ہر قسم کے زانیوں کے لیے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، عام کر دیتی ہے تو زنا کے لیے رجم کی سزا کا ماخذ کیا ہے؟ اس سوال پر انشاء اللہ ہم سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں بحث کریں گے۔"[۲] سورۂ مائدہ میں مولانا نے سورۂ نور میں بحث کرنے کا وعدہ کیا ہے اور فقہ کا حوالہ دیا ہے۔[۳]

سورۂ نور ۲ کی تفسیر میں مولانا اصلاحی نے زنا کی سزا اور رجم کی سزا پر بہت طویل بحث کی ہے۔ بالخصوص حضرت ماعز اسلمیؓ کی سزائے رجم کے حوالہ سے۔ مولانا سزائے رجم کے قائل ہیں اور اس کو سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ ۳۳ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔[۴] پھر ماعز اسلمیؓ پر سزائے رجم کے نفاذ سے متعلق بہت سی روایات کا تجزیہ وتحلیل کر کے اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یہ سزا تقتیل کی تشریح اور اللہ ورسول سے محاربہ کے نتیجہ میں دی جاتی ہے۔ امام بخاری کی ایک حدیث سے اس پر سند لاتے ہیں، اسی بحث میں غامدیہ کے واقعۂ رجم اور زنا بالجبر کے ایک مجرم کے سنگسار کیے جانے کے واقعات کا تجزیہ کر کے فرماتے ہیں کہ "رجم کی سزا کے جو واقعات احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ عام قسم کے زانیوں کے واقعات نہیں ہیں، بلکہ ان بدقماشوں کے واقعات ہیں جو اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت وناموس کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح شادی شدہ زانی کی اصل سزا، جیسا کہ روایت سے واضح ہے، ہے تو تازیانہ ہی لیکن اگر کوئی شخص تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آرہا ہے اور معاشرے کے لیے ایک خطرہ بن چکا ہے تو اس کو حکومت "تقتیل"

۱۔ ۶۴۳/۱ ۲۔ ۲۸۰/۲

۳۔ ۵۰۶/۲ ۴۔ ۳۶۹/۵

یعنی رجم کی سزا ازروئے سورۂ مائدہ دینے کا اختیار رکھتی ہے"۔[۱] مولانا کے نقطۂ نظر کی توثیق و تردید میں متعدد تحریریں آچکی ہیں۔ یہاں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ مفسرِ اصلاحی نے احادیث کی یہ من مانی تاویل کی ہے اور اپنے نقطۂ نظر کے اثبات کے لیے ان صریح احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے جو محصن یا شادی شدہ شخص کے لیے رجم کی سزا کو ثابت کرتی ہیں۔ ماعزؓ اور غامدیہؓ وغیرہ کے لیے ان کا لہجہ جارحانہ ہی نہیں بلکہ غیر علمی بھی ہے۔

تدبرِ قرآن کی ایک بحث مولانا اصلاحی کی سورتوں کی سات گروپوں میں تقسیم سے متعلق ہے۔ صاحبِ تدبر نے پہلے قرآن کی آیتِ مقدسہ: "وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝" (سورہ حجر ۸۷) سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یہ آیت ان سات گروپوں ہی پر دلالت کرتی ہے اور سورۂ فاتحہ اور کسی اور شے پر نہیں۔ اس کی مزید تائید دوسری آیتِ قرآنی"... كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ... (الزمر: ۲۳) سے فراہم کرنے اور دلائل دینے کے بعد لکھا ہے: "میرے نزدیک قرآن کی اسی حقیقت کی طرف وہ حدیث بھی اشارہ کر رہی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ "انزل القرآن علی سبعة احرف" اگر "حرف" کو عبارت، بیان اور اسلوب کے معنی میں لیں، جس کی زبان اور لغت کے اعتبار سے پوری گنجائش ہے تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ قرآن سات اسلوبوں یا عبارتوں میں نازل ہوا ہے اور اس سے اشارہ انہی سات گروپوں کی طرف ہوگا جو قرآن میں ہر تلاوت کرنے والے کو نظر آتے ہیں..."۔[۲] سات گروپ پر بحث میں حضرت جبریل کی حدیث سے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین... ہر رمضان میں قرآن مجید کا مذاکرہ فرماتے تھے..." دلیل لانے کی سعی کی ہے۔ اس حدیث کی تاویل بھی اسی باب میں آتی ہے۔[۳] گروپ ۱: فاتحہ تا مائدہ، ۲: انعام تا توبہ، ۳: یونس تا نور، ۴: فرقان تا احزاب ۵: سبا تا حجرات، ۶: ق تا تحریم اور ۷: ملک تا الناس پر ختم ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کو اس تاویل و تفسیر پر اتنا اصرار ہے کہ "میرے نزدیک یہ ترتیب منصوص ہے جس کے دلائل خود قرآن میں موجود ہیں اور میں نے ان کی وضاحت کی ہے"۔[۴]

تاویلِ احادیث کا طرزِ اصلاحی واضح کرنے کے لیے مزید مثالیں بھی پیش کی جاسکتی

۱؎ ۵/۳۶۰-۳۶۱ ۲؎ ۸/۲۸۰-۲۸۱ ۳؎ ۱/۳۵ ۴۲۰ ۴؎ ۹/۹

ہیں لیکن ان سے طولِ کلام ہوگا۔ ان تاویلات کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ صاحب تدبر نے اپنے مفیدِ مطلب احادیث اور اطرافِ حدیث کو تو نقل کیا ہے یا کم از کم اُن کا حوالہ دیا ہے، مگر ان کے طے شدہ یا پسندیدہ استنباطات کے خلاف جانے والی احادیث کو نظر انداز کیا ہے۔ اسے تاویل و توجیہ سے زیادہ اعراض کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔

حدیث سے اعراض

تدبر قرآن میں مولانا امین احسن مرحوم کا حدیث سے متعلق تفسیری رویہ خاصا پیچیدہ اور خطرناک ہے۔ مولانائے گرامی نے بہت سے مقامات پر حدیثِ نبوی کے ذریعہ تاویل و تفسیر سے گریز کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر آیت و کلمہ میں حدیث و سنت سے تشریح کا بارِ گراں نہیں اٹھا سکتے تھے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے سامنے کے اور بنیادی تفسیری نوعیت کے مباحث میں احادیث سے استفادہ ایک مفسرِ قرآن کے لیے جو حدیثِ نبوی کی آئینی اور تفسیری نوعیت و اہمیت کا قائل بھی ہو ناگزیر فرض بن جاتا ہے۔ ایسے مقامات تو تدبر قرآن میں بہت ہیں، لیکن چند کا ذکر بطور نمونہ و مثال ذیل میں کیا جاتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ:۱۳۰ .... وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ " سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی روایت ہے۔ ..... اوقاتِ شب میں دو نمازیں ہیں ایک عشاء اور دوسری تہجد.... ان کے اطراف و اجزاء میں تین نمازیں ہیں۔ چاشت، ظہر اور مغرب .... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی اوقات کو اپنے عمل سے منضبط کر کے ان کی حدبندی فرمادی ..." اگرچہ مولانا اس تشریح میں بخاری اور سنت کا حوالہ دیتے ہیں تاہم وہ اوقاتِ نماز کو منضبط کرنے والی احادیث کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر ان کا ذکر کر دیتے تو اوقاتِ نماز کی صحیح تعیین و تعبیر ہو جاتی۔[1]

---

[1] ۵/ ۱۰۷-۱۰۶، نیز سورہ روم ۱۷-۱۸ کی تفسیر ۶/ ۸۱

واقعۂ افک سے متعلق سورۂ نور کی آیاتِ کریمہ ۱۱-۲۶ کی تفسیر میں مولانا مرحوم نے "تاریخ و سیرت کی کتابوں سے واقعہ کی نوعیت" مختصراً حاشیہ میں بیان کی ہے[۱] مگر احادیثِ صحیحہ میں مذکور حضرت عائشہ کی زبانی مروی حدیث بیان کی ہے نہ اس کا حوالہ دیا جو انتہائی حیرت انگیز ہے۔ وہ صرف حدیثِ عائشہ نہیں بلکہ عینی شاہد کا بیان ہے اور رسول اکرمؐ کی طرف اس کی نسبت و سند ہونے کے سبب مرفوع حدیث کا درجہ رکھتی ہے[۲]۔

سورۂ بقرہ کے ایک مبحث میں مفسر گرامی نے قرآن کریم کی آیاتِ مقدسہ کے حوالہ سے اور عقلی بنیادوں پر یہ بحث کی ہے کہ اہل کتاب کے لیے رسالتِ محمدیؐ پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کے بغیر ان کا ایمان صحیح، خالص اور مطلوبِ الٰہی نہیں ہو سکتا[۳] اس بحث میں مولانا مرحوم اگر مشہور و صحیح احادیث سے اپنی تفسیر و تاویل کو مدلل کر دیتے تو ان کی بحث بالکل پختہ و ثابت ہو جاتی۔

ایلاء کے احکام پر آیت ۲۲۷ کے حوالہ سے بحث کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے سیرتِ نبوی کے مشہور واقعۂ ایلاء کا حوالہ دیا ہے نہ حدیث سے استناد کیا ہے[۴]۔ اگرچہ اس میں فقہاء کے مختلف مسالک و اقوال کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح طلاق کے احکام[۵] میں احادیث کا بالعموم حوالہ نہیں دیا ہے، صرف حلالہ کرنے والے شخص کے لیے حدیث میں وارد لفظ "کرائے کا سانڈ" کا صرف حوالہ اور لعنتِ نبوی کا ذکر کیا ہے[۶] کرائے کے سانڈ کے لیے دوسری جگہ حدیث کے لفظ "تیس مستعار" کا ذکر بھی کیا ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر نمازوں کے قضا ہونے سے متعلق اور صلوٰۃ خوف کے ضمن میں مولانا اصلاحی نے حدیث کا بالکل حوالہ نہیں دیا ہے[۸]۔ سورۂ احزاب ۹-۲۷ کی تمہیدی بحث میں مولانا نے لکھا ہے کہ "یہود بنی نضیر کے کچھ لیڈروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا..." حدیث و تاریخ و سیرت کا اتفاق ہے کہ پورے قبیلہ بنی النضیر کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ احزاب کے پس منظر میں تاریخی واقعہ بیان ضرور کیا

۱۔ ۵/۳۸۲ ۲۔ ۵/۳۹۰-۳۸۱ ۳۔ ۱/۲۴۶-۲۳۱

۴۔ ۱/۵۱۲-۵۳۰ ۵۔ ۱/۲۳۰-۲۲۹ ۶۔ ۱/۵۳۸

۷۔ ۱/۵۵۴ ۸۔ ۶/۱۹۳ ۲۲۲

ہے، مگر بلا حوالہ، مولانا مرحوم نے البتہ سورہ حشر ۲ میں بخاری کے حوالے سے بنو النضیر کے پورے قبیلہ کی جلاوطنی کا مختصراً ذکر کیا ہے[۱] اس صورت میں یہ تناقض و تصادم بیانات کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ مولانا اصلاحی نے حدیث سے اعراض و اجتناب کا جو رویہ اپنایا ہے اس میں ایسے تناقضات کا در آنا ناگزیر ہے۔ اس کے علاوہ بعض اہم قیمتی معلومات، آیات کریمہ کے اشارات کی توضیح اور قرآن کریم کی صحیح تفسیر و تاویل کا کام بھی باقی یا تشنہ رہ جاتا ہے۔

تدبر قرآن میں حدیث نبوی سے بحث و مباحثہ اور تعرض و تعلق کے باوجود یہ حقیقت بہت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مفسر گرامی نے بہت سے اہم واقعات پر حدیث نبوی کے مستند ترین ذخیرہ سے اعراض و اجتناب کی حکمت عملی اپنائی ہے۔ ان میں سب سے اہم معاصر تاریخی واقعات سے متعلق احادیث کا استناد ہے۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں زمانہ نزول قرآن کے عصری واقعات کا تذکری اور خاص اشاراتی انداز میں حوالہ دیا گیا ہے جن کی تفصیل و تشریح سیرت و تاریخ کے علاوہ حدیث و آثار کے مصادر میں ملتی ہے۔ مولانا مرحوم نے بالعموم ان کے تعلق سے اعراض کا رویہ اپنایا ہے۔ الا ماشاء اللہ

ان معاصر واقعات اور عصری حادثات میں ایک اہم باب غزوات نبوی کا ہے۔ قرآن مجید میں بدر و احد، احزاب، صلح حدیبیہ و فتح مکہ، حنین و تبوک وغیرہ کا واضح ذکر ملتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے سیرت و تاریخ سے نسبتاً زیادہ استفادہ کیا ہے، مگر حدیث سے بہت کم، بلکہ صرف ایک آدھ جگہ، جیسا کہ غزوہ بنی النضیر کے تعلق سے بخاری کا حوالہ سورہ حشر میں آیا ہے۔ مذکورہ بالا غزوات نبوی میں سے غزوہ بدر اہم ترین ہونے کے علاوہ سورہ انفال کا مرکزی موضوع ہے، مگر مولانا نے اس میں حدیث کی ایک روایت نہیں نقل کی۔ یہی حال غزوہ احد سے متعلق آیات کریمہ کا ہے۔ صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوہ حنین سے متعلق بھی احادیث کا حوالہ نہیں آیا ہے، مگر اس سے زیادہ حیرت انگیز معاملہ غزوہ تبوک کا ہے۔ سورہ توبہ میں حدیث حضرت کعب بن مالکؓ تک سے اعراض کیا گیا ہے جبکہ اس کا ذکر کم از کم وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (۱۱۸) کے حوالہ سے لازمی بلکہ ناگزیر تھا۔ اس میں بلاشبہ روایات کا ذکر ہے اور حضرت کعب بن مالکؓ کا

---

[۱] ۸/ ۲۸۳

نام بھی مذکور ہے، لیکن ان تینوں سے مراد کون بزرگ ہیں ان کا کوئی حوالہ ذکر نہیں ہے[۱]۔ البتہ آیتِ کریمہ ۱۱-۱۶ کے حوالہ سے ان کے نام "روایات" کے حوالہ سے ضرور مذکور ہوئے ہیں[۲]۔ دوسرے غزوات کے حوالہ سے تو بسا اوقات اتنا بھی حوالہ نہیں آتا۔

دوسرے عصری واقعات میں بعض سماجی مسائل اور امور بھی شامل۔ مولانا اصلاحی مرحوم کا طرزِ عمل ان کے سلسلے میں بھی اسی طرح اجتناب و گریز کا ہے۔ واقعۂ افک کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے ضمن میں مولانا نے تاریخ و سیرت کے حوالہ سے مختصر واقعہ کا ذکر اور وہ بھی حاشیہ میں کیا ہے مگر خود حضرت عائشہؓ کی حدیث جو تمام کتبِ حدیث میں موجود ہے، درخورِ اعتنا نہیں سمجھی گئی۔ اسی سورہ میں "لعان" سے متعلق احکام آیاتِ کریمہ ۶-۱۰ میں ہیں۔ عصری واقعہ کے علاوہ حدیث سے بھی اس میں استناد موجود نہیں ہے[۳]۔ ایسے معاشرتی واقعات کی فہرست بہت طویل ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ بخاری مسلم اور ترمذی وغیرہ کی کتاب التفسیر اور کتاب المغازی سے بھی استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔

توجیہ و تاویل کچھ بھی کی جائے، تدبرِ قرآن میں حدیث و سیرت کو اتنی بھی وقعت نہیں دی گئی جتنی محرّف صحف سماویہ تورات و انجیل وغیرہ کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان کتابوں سے طویل طویل اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ان سے استشہاد و استدلال اور تفسیر و تعبیر کی پوری عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ بلکہ قرآنی آیاتِ کریمہ کے معانی و مفاہیم کی تعیین کی گئی ہے۔ ان سے استدلال و استشہاد کرنے پر اعتراض نہیں، مگر یہ موازنہ تکلیف دہ اور حیرت انگیز حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ صحیح احادیث کو وہ مقام بھی نہیں ملا جو محرّف کتب و روایات کو دیا گیا اور وہ بھی بار بار اور بتکرار اور بہ تفصیل دیا گیا ہے۔

تدبرِ قرآن میں ذخیرۂ حدیث سے استفادہ تین چار عناوین کے تحت کرنے سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تشریح بعض احادیث سے کی ہے۔ اس باب میں بھی پوری حدیث کم نقل کی گئی ہے، زیادہ تر حدیث کا صرف حوالہ آیا ہے۔ کہیں کہیں چند الفاظ نقل کیے گئے ہیں، پوری حدیث اور اس کے الفاظ بہت کم آئے ہیں۔ حدیث کے مآخذ کا ذکر بہت کم بلکہ خال خال ہے۔ حضرت ماعزؓ وغیرہ کے واقعات کے علاوہ مصادرِ حدیث کا حوالہ نہیں۔ تدبّرِ قرآن میں استنادِ حدیث کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ صاحبِ تدبر کے نزدیک تمام دوسرے مصادر و مآخذ کے مقابل حدیث کا مقام و مرتبہ ثانوی ہے ●●●

۱۔ ۳/۶۶۰-۶۵۸   ۲۔ ۳/۶۶۰ ۶۶۲   ۳۔ ۵/۳۷۷-۳۷۶